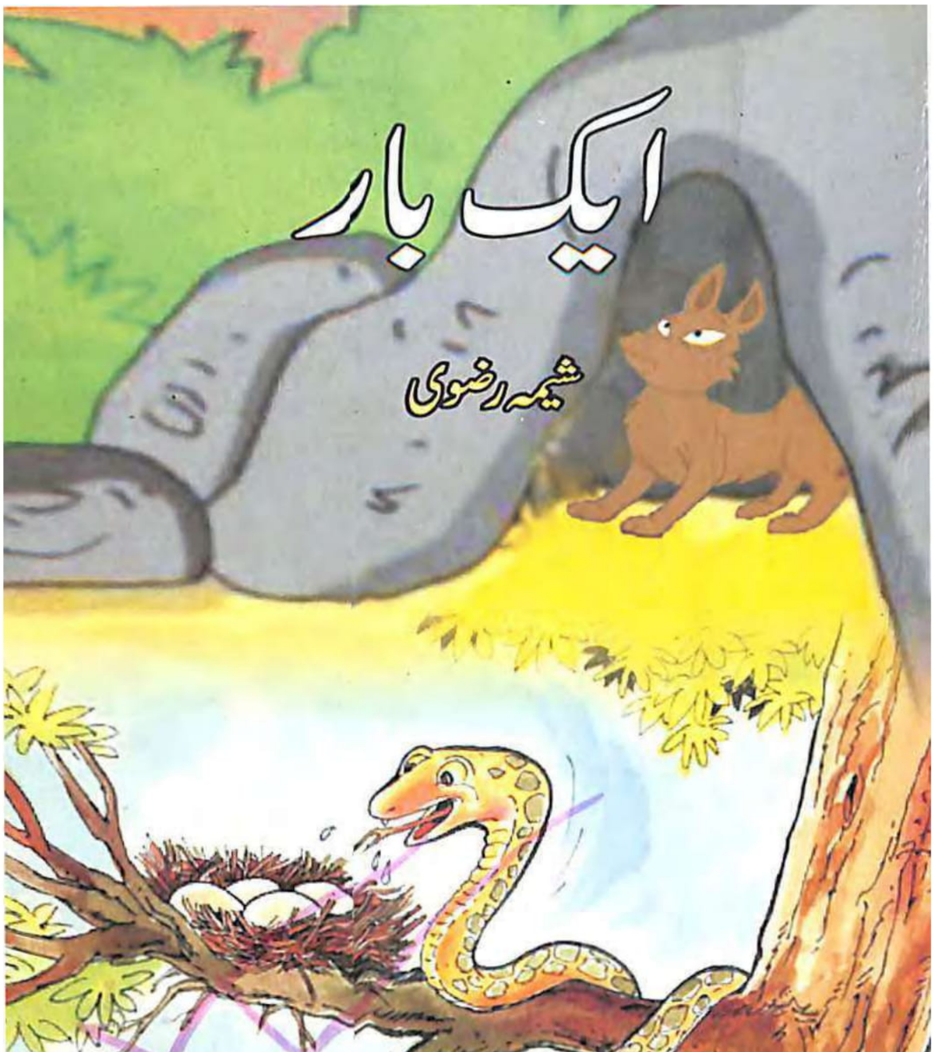
ایک بار
شیمہ رضوی
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ایک بار

ایک بار

شیمہ رضوی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ـ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1989
قومی اردو کونسل کا پہلا اڈیشن	:	2013
تعداد	:	1100
قیمت	:	-/15 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1698

EK BAAR
By: Sheema Rizvi

ISBN: 978-81-7587-908-9

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8 آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای میل: urducouncil@gmail.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد دہلی-006 110
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

سیکھنے اور سکھانے کا عمل ایسی پگڈنڈی ہے جس پر رک رک کر، سوچ سوچ کر اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ انسانی ذہن چیزوں کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ رد بھی کرتا رہتا ہے۔ زندگی کے تین اہم پڑاؤ دراصل وسیع تر فکر اور تجربے کے پڑاؤ ہیں۔ انسان کے سیکھنے کا عمل ماں کی گود سے قبر تک جاری رہتا ہے۔ تحریر تخیل کی ایجاد ہے اور تخیل کی تہذیب بھی۔ بچے کا ذہن کسی چیز کا جلد اثر قبول کر لیتا ہے۔ اگر اسے منتخب، نمائندہ اور دلچسپ تحریریں مطالعے کے لیے مل جائیں تو اس کے ذہن کی بالیدگی معیاری خطوط پر ہوتی ہے ورنہ کنفیوژن اور انتشار اسے تاعمر پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اردو میں بچوں کے ادب کی مضبوط روایت رہی ہے۔ بڑے ادبا نے بچوں کا ادب تخلیق کیا ہے۔ زمانہ برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھنا شکست کے مترادف تصور کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں صحیح قدروں کی نشاندہی اور صالح کردار کی ترجمانی اہم فریضہ ہے۔ ماضی کی طرف مڑ کر دیکھنے کا مطلب اس کے رومان میں گم ہو جانا نہیں، بلکہ اس سے سبق حاصل کرنا ہے۔ یہ قلب ماہیت کے لیے ضروری ہے۔ یعنی خارج کی تہذیب کے ساتھ باطن کی تہذیب بھی لازمی ہے۔ نئی ایجادات نے ذہن میں تنوع پیدا کیا ہے۔ تحریر اور قرأت کے ذرائع بدلے ہیں۔ نئی تکنیک نے فکری رویوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ایسے میں بچوں میں کتاب اور قلم کی طاقت کا احساس جگانا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔

بچوں کے لیے نظمیں ہوں یا کہانیاں، آج بھی مابعدالطبیعیاتی عناصر کے حصار میں ہیں ۔ حقیقت پسندی اور ترقی پسندی کے باوجود ابہام اور ابہام کے نیشن سے پیدا ہونے والے حقائق کا اعتراف کرنا چاہیے ۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے منصوبوں میں ادب اطفال پر بھی توجہ دی گئی ہے جس کا مقصد بچوں کے لیے ایسی کتابیں تیار کرانا ہے جو ذہن کو صالح اقدار، مثبت گفتار اور مستحکم کردار کی طرف مائل کریں ۔ امید ہے ہماری یہ کوشش نتیجہ خیز مراحل سے ہمکنار ہوگی ۔ ہمیں اہل نظر کی آرا کا انتظار رہے گا ۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
(ڈائرکٹر)

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
تعارف	VII
چالاکی	1
بدلہ	3
ہوشیاری	7
بیربل کی ذہانت	11
سب سے زیادہ طاقتور کون	13
مرغی کی ہوشیاری	17

سوجھ بوجھ	21
انجام	23
عقلمندی	25
بڑوں کے نام سے فائدہ	31
بیربل اور دربان	35
اکبر بادشاہ اور بیربل	39
جادوئی کدو	43
ننھی روزی اور بھالو	49

تعارف

کہانیاں سننے کا شوق ہر بچے میں فطری ہوتا ہے۔ اس سے ان کے ذہن کو بالیدگی عطا ہوتی ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بچوں کی دنیا تخیل کی دنیا ہوتی ہے۔ کہانی سنتے وقت ان کا ننھا سا ذہن کہانی کے پس منظر میں ایک تخیلی دنیا آباد کرتا ہے جس کا ہیرو وہ خود ہوتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے جب میری ممّی مجھے نیلم پری کی کہانی سناتے ہوئے یہ کہتی تھیں کہ وہ ہمیشہ نیلے کپڑے پہنتی تھی اس لیے اسے نیلم پری کہتے تھے اور وہ باغ میں تتلیوں کے پیچھے دوڑا کرتی تھی تو مجھے ایسا لگتا تھا جیسے وہ

نیلم پری میں خود ہوں خوب صورت سی نیلی فراک پہنے سرسبز و شاداب باغ میں رنگ برنگی تتلیوں کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔ واقعی کہانی ایسا ذریعہ ہے جس سے بلاواسطہ طور پر بچوں کو اچھی تعلیم دی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہانی ہمیشہ ایسی ہونی چاہیے جس سے بچے کے ذہن کی صحیح نشو ونما ہو سکے۔ آج کے یہ ننھے پودے کل کا مستقبل ہیں تو کیوں نا ہم شروع ہی سے مضبوط اور پائیدار بنیادوں پر ان کے مستقبل کا ایوان تعمیر کریں اسی خیال نے مجھے بچوں کے لیے سبق آموز اور اصلاحی کہانیاں لکھنے کی جانب مائل کیا۔

روزنامہ ''قومی آواز'' لکھنؤ میں سنڈے میگزین سیکشن میں بچوں کے لیے ایک گوشہ متعین ہوتا ہے اس میں میری کہانیاں شائع ہوئیں تو مجھے بڑی تقویت حاصل ہوئی اور تب میں نے اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ خدا کا شکر و احسان ہے کہ آج میری تخلیق، کتابی صورت اختیار کر رہی ہے۔ میری اس کتاب کا نام ہے ''ایک بار'' — چونکہ میری ہر کہانی اسی لفظ سے شروع ہوتی ہے لہٰذا میں نے کتاب کا نام ''ایک بار'' تجویز کیا۔ یہ میری پہلی کوشش ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ

میں اسے متعارف کراتے وقت اس پر اہل قلم حضرات سے تعارفی نوٹ لکھواتی۔ لیکن میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ اس لیے کہ مجھے بیساکھیوں کے سہارے چلنا اچھا نہیں لگتا۔ میں اپنی شناخت خود کروانا چاہتی ہوں۔ مجھے یاد آیا جب میں انگلش میں ایم۔اے۔ کر رہی تھی تو سال کے آخر میں میرے ایک پروفیسر صاحب نے کہا ''ارے تم نے آج تک یہ نہیں بتلایا کہ تم فلاں کی بیٹی ہو یہ تو مجھے ابھی معلوم ہوا۔'' میں نے برجستہ جواب دیا۔ ''معاف کیجیے گا۔ سر۔ آپ نے مجھے فلاں کے ذریعہ پہچانا تو کیا پہچانا۔ مجھے خوشی تو اس وقت ہوگی جب آپ مجھے میری صلاحیتوں سے پہچانیں۔'' بہر حال یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں بات کر رہی ہوں اس کتاب کی، کہ ادبی دنیا میں یہ میری پہلی کوشش ہے۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکی ہوں یہ تو اہل نظر حضرات ہی فیصلہ کریں گے البتہ اتنا ضرور کہنا چاہوں گی کہ اردو زبان وادب نے ہر صنف میں بہت تیزی سے ترقی کی ہے لیکن بچوں کے لیے ابھی اس میں اتنا نہیں لکھا گیا جتنا اس سے متوقع تھا۔ اس لیے ہمیں بچوں کے ادب کو بہر حال فروغ دینا ہے اور کہانیاں اس ادب کا ایک حصہ ہیں۔

جس کے ذریعہ ہم غیر مستقیم طور پر اپنے ملک کے مستقبل کو بھی روشن وتاب ناک بنانے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

عائشہ اعزاز

عرف

شیمہ رضوی

ریسرچ اسکالر، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

22/مئی 1989.

چالاکی

ایک بار ایک لومڑی ایک بھالو کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ اگر تم اپنے کھیت میں مجھے کھیتی کر لینے دو گے تو جو کچھ بھی پیدا ہوگا اس کے اوپر کا حصہ تم کو دے دوں گی اور جڑ میں خود لے لوں گی۔ بھالو نے سوچا کہ ٹھیک ہے اس طرح سے مجھے بغیر محنت کے کھانے کو ملے گا لومڑی تو تھی ہی چالاک اس نے شلجم بو دیا جب فصل تیار ہو گئی تو لومڑی نے کہا چل کر اپنا حصہ لے لو اور یہ کہہ کر اوپر کے حصہ میں جتنے پتے تھے وہ بھالو کو دے دیے اور جڑ یعنی شلجم اپنے حصہ میں لے کر چلی گئی بھالو کو اپنی بیوقوفی پر بڑا غصہ آیا اس نے سوچا اگلی بار میں جڑ

مانگوں گا اور پھر جب اگلی بوائی کا موقع آیا تو اس نے اپنی یہی شرط رکھی لومڑی راضی ہو گئی پھر کیا تھا اس نے پھر چالاکی سے کام لیا اور اس بار اس نے خشخاش بو دی۔ جب فصل تیار ہوئی تو اس نے کہا کہ بھالو تم چل کر اپنا حصہ لے لو بھالو کو اس بار صرف جڑ ہی ہاتھ لگی اور وہ غصے سے چیخنے لگا۔ لومڑی نے فوراً اپنی صفائی دی کہ تمھاری مرضی سے ہی شرط رکھی گئی تھی اس بار پھر اپنی ہی مرضی کی شرط رکھ لینا۔

بھالو کا غصہ کچھ کم ہوا تو اس نے کہا اس بار میں اوپر اور نیچے دونوں حصے لوں گا تم بیچ کا حصہ لے لینا۔ اس نے سوچا لومڑی کو بیچ کی ڈنڈیاں پکڑا دوں گا۔ لومڑی نے منظوری میں سر ہلا دیا۔ اس بار اس نے گنّا بویا اور اوپر کے پتے اور نیچے کی جڑیں دے کر بیچ کے گنے لے کر چلی گئی بھالو غصے سے کانپنے لگا اس طرح لومڑی نے اپنی چالاکی سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔

بدلہ

ایک بارندی کے کنارے ایک پیڑ پر ایک کوے نے اپنا گھونسلا بنایا اور اس میں انڈے دیے کچھ عرصہ بعد اس میں سے چھوٹے چھوٹے بچے نکل آئے۔ اسی پیڑ کی جڑ میں ایک سانپ نے اپنا بل بنا رکھا تھا۔ کوا جب کھانے کی تلاش میں نکلا اور دور اڑ گیا تو چپکے سے سانپ اپنے بل میں سے نکلا اور ایک بچہ کھالیا۔ کوا جب واپس آیا تو اسے یہ دیکھ کر کہ ایک بچہ غائب ہے بڑا تعجب ہوا اور دکھ بھی بہت ہوا۔ مگر وہ سوائے حیرانی اور افسوس کے کر بھی کیا سکتا تھا۔ دوسرے دن پھر جب کوا لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اس کا دوسرا بچہ بھی غائب ہے اور تیسرے دن اس کا

تیسرا بچہ بھی غائب ہو گیا۔ کوا بے چارہ بہت رویا چلایا اپنے بچوں کو آوازیں دیں مگر اسے اس کے بچے نہ ملے۔

کچھ دنوں کے بعد کوے نے پھر انڈے دیے اس میں سے چھوٹے چھوٹے بچے نکلے تو وہ ان کے لیے دانا لانے کے لیے اڑ گیا سانپ نے پھر وہی کیا چپکے سے نکلا، ایک بچہ کھایا اور اپنے بل میں چلا گیا۔ واپس آ کر کوا بہت پریشان ہوا کہ آخر یہ کیا ہو جاتا ہے، میرے بچے غائب کیسے ہو جاتے ہیں۔ دوسرے دن پھر یہی واقعہ ہوا اور تیسرے دن اس کا آخری بچہ بھی غائب ہو گیا۔ مارے دکھ کے اس کا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ وہ زور زور سے رونے لگا۔ ایک لومڑی جو روز سانپ کو اس کے بچے کھاتے دیکھتی تھی اس کے پاس آئی اور اسے بتایا کہ اس کے بچے کیسے غائب ہو جاتے ہیں۔ کوے نے کہا میں کیا کروں کیسے اپنا بدلہ لوں۔ لومڑی کیونکہ چالاک ہوتی ہے اس لیے فوراً بولی کہ کل یہاں شہزادی ندی پر نہانے آ رہی ہیں تم ایسا کرنا کہ ان کے گلے کی چین کسی طرح اتار لینا اور اسے اس سانپ کے بل میں ڈال دینا۔

کوے نے ایسا ہی کیا۔ شہزادی کی چین اپنی چونچ سے کھینچ لی اور

اڑتا ہوا سانپ کے بل کے پاس گیا جب شہزادی کے سپاہی اس کے قریب آ گئے تو اس نے وہ چین فوراً اس کے بل میں ڈال دی اور خود اڑ کر دور ایک درخت پر بیٹھ گیا۔ سپاہیوں نے اسے چین ڈالتے دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ اس جگہ پر آئے اور اسے کھودنا شروع کر دیا۔ سانپ اس میں سے کلبلا کر جیسے ہی بھاگا سپاہیوں نے اسے کچل کچل کر مار ڈالا اور چین لے کر چلے گئے۔ اس طرح سے کوے نے اپنے اوپر کیے ظلم کا بدلہ لے لیا۔

ہوشیاری

ایک بار ایک لالچی امیر آدمی نے اپنے ایک بہادر سپاہی کو 10 سال کی نوکری کے بعد نکال دیا اور جاتے وقت اسے کچھ روٹیاں اور چند سکے دے دیے۔ غلام کو بہت غصہ آیا اور وہ اس کے عالی شان گھر کو چھوڑ کر جنگل کی طرف چل دیا۔ کئی دن گزر گئے وہ گھنے جنگل سے گزر رہا تھا اس کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اچانک اس کو لگا جیسے وہ کسی کھمبے سے ٹکرا گیا اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو وہ ایک پہاڑ کے برابر قد والا دیو تھا اور وہ اس کے پیر سے ٹکرا گیا تھا۔ اس کو یہ دیو کچھ رحم دل لگا۔ سپاہی نے اپنی داستان اسے سنا دی اور کہا کہ وہ اس کے

ساتھ اگر چلے تو وہ اپنا بدلہ لے سکتا ہے۔ دیو راضی ہو گیا اور دونوں واپس ہو لیے۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ایک بڑا سا پہاڑ ہوا میں اڑتا چلا جا رہا ہے۔ وہ بھی ایک دیو تھا جو ایک پہاڑ کو اٹھائے لیے جا رہا تھا۔ اس نے اس پہاڑ کو سمندر میں ڈال دیا۔ پہلے والے دیو کو اور سپاہی کو بے حد حیرت ہوئی۔ بہادر سپاہی نے آگے بڑھ کر اسے اپنی پوری بپتا سنائی اور کہا کہ اگر تم ہم دونوں کے ساتھ ہو جاؤ تو ہم تینوں مل کر اس امیر آدمی کو اچھا سبق دے سکتے ہیں۔ تینوں ساتھ ہو لیے اور اپنی منزل کی طرف بڑھ چلے۔ تبھی ان کو لگا بڑے زور کی آندھی آ رہی ہے۔ پیڑ پودے جڑ سے اکھڑنے لگے سپاہی کو تو لگا وہ اڑ جائے گا مگر ایک دیو نے اسے پکڑ رکھا تھا اس لیے وہ اڑنے سے بچ گیا۔ اچانک آندھی رک گئی۔ لیکن کچھ ہی دیر کے بعد ایک دم سے پھر شروع ہو گئی ان لوگوں نے سوچا کہ یہ کیسی آندھی ہے جو ایک دم سے رک گئی وہ لوگ جدھر سے ہوا آ رہی تھی اس طرف چل دیے دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دیو وہاں لیٹا اپنے منہ سے پھونک مار رہا ہے۔ بہادر سپاہی اس کی طرف بڑھا اور اس کو اپنی کہانی سنائی اور اسے بھی اپنے ساتھ چلنے پر راضی کر لیا۔

چلتے چلتے وہ چاروں اس لالچی امیر کے گھر کے پھاٹک پر پہنچے۔
دربان اکڑ گیا۔ ان کو اندر ہی نہیں جانے دے رہا تھا۔ سپاہی کو اندر
جانے کے لیے اس نے ایک شرط رکھی کہ اگر مجھے دوڑ میں ہرا دو تو میں تم
کو اندر امیر کے پاس جانے دوں گا ورنہ نہیں سپاہی فوراً راضی ہو گیا اور
کہنے لگا تم پہلے میرے نوکر کو ہرا دو پھر میرے ساتھ دوڑ لگا لینا دربان
مان گیا۔ پھر کیا تھا سپاہی نے پہلے والے دیو کو دوڑنے کو کہا۔ دوڑ لگانے
کے لیے جتنی دوری رکھی گئی تھی اس کے لیے دربان نے دوڑنا شروع کر
دیا مگر دیو نے ایک قدم میں آدھی اور دوسرے قدم میں پوری دوری طے
کر لی اس وقت تک دربان تھوڑی ہی دور دوڑا ہوگا۔ اس کے ہار جانے
کے بعد سپاہی اندر گیا اور امیر آدمی سے اس کی ناانصافی کی شکایت کی
اور شرط رکھی کہ یا تو تم اپنی بیٹی کی میرے ساتھ شادی کر دو یا میرے نوکر
کو لڑائی میں ہرا دو امیر نے کہا کہ ایسا کرو تم جتنی دولت کہو میں دے دیتا
ہوں مگر اپنی بیٹی کی شادی تمھارے ساتھ نہیں کروں گا۔ سپاہی نے کچھ
دیر سوچا اور پھر کہا کہ ٹھیک ہے میرا نوکر جتنا وزن اٹھا سکے گا اتنی دولت
میں لے جاؤں گا۔ امیر کی منظوری میں سر ہلاتے ہی سپاہی نے

دوسرے دیو سے کہا کہ سامنے آئے اور دولت اٹھا لے۔ امیر کی 10-12 بیل گاڑیوں میں رکھا سونا چاندی اس نے ایک بڑے سے تھیلے میں رکھ کر آسانی سے اٹھالیا اور دوسرے ہاتھ سے اٹھانے کے لیے اور دولت مانگنے لگا۔ اتنے ہی قیمتی ہیرے جواہرات اس نے دوسرے تھیلے میں بھرے اور یہ چاروں واپس چل دیے۔

امیر غصے سے کانپنے لگا اپنے سارے سپاہیوں کو ان کے پیچھے بھیجا اور کہا سب دولت چھین کر لے آؤ کیونکہ اس کے پاس اب کچھ بھی مال و دولت نہ بچا تھا اس لیے سوچا تھا کہ پہلے دولت دے دوں گا پھر سپاہیوں سے مروا کر سب چھنوا لوں گا لیکن سپاہی بھی بہت ہوشیار تھا جیسے ہی سارے سپاہی قریب آئے اس نے تیسرے دیو کو کہا کہ تم پھونک مار کر ان سب کو دور اڑا دو۔ پھر کیا تھا ایسا ہی ہوا۔ امیر بہت گھبرا گیا وہ دوڑا ہوا سپاہی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ دیکھو میں اپنی بیٹی کی شادی تمھارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوں تم ساری مال و دولت اور اپنے ان تینوں دوستوں کے ساتھ یہیں رہ سکتے ہو اور وہ سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

بیربل کی ذہانت

ایک بار اکبر کے کچھ درباریوں نے آپس میں گفتگو کی کہ اکبر بادشاہ بیربل کو بے حد پیار کرتے ہیں۔ بیربل ہی ایک ایسا شخص ہے جو اکبر سے کسی وقت بھی کچھ بھی کہہ سکتا ہے وہ اسے بہت عقل مند سمجھتے ہیں ہر بات میں اس سے مشورہ کرتے ہیں اور اس کی مانتے ہیں۔ تو کیا ہم سب بادشاہ کی نظر میں بیوقوف ہیں۔ انھوں نے سوچا کیوں نہ اس مسئلہ پر بادشاہ سے گفتگو کی جائے چنانچہ انھوں نے بادشاہ سلامت سے پوچھا آخر کیا وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ بیربل کی ہی کہی ہوئی بات مانتے ہیں کیا ہم لوگ بے حد بیوقوف ہیں جو آپ کو مشورہ نہیں دے سکتے۔ اکبر نے کہا ٹھیک ہے میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ میں بیربل کو ہی کیوں ترجیح دیتا

ہوں، پھر انھوں نے درباریوں سے سوال کیا کہ کیا کوئی ایسا ہے جو ہمیں یہ بتا سکے کہ دہلی میں کتنے کوّے ہیں۔ سبھی درباری بادشاہ کے اس سوال کو سن کر بے حد پریشان ہوئے انھوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بادشاہ ان سے اس طرح کا سوال پوچھ بیٹھیں گے۔ بادشاہ نے بیربل کی طرف دیکھا تو اس نے فوراً کہا۔ 50,720۔ اس جواب کو سن کر سبھی کو تعجب ہوا کہ آخر بیربل کو ان کی صحیح تعداد کیونکر معلوم ہوئی۔ ایک درباری سے نہیں رہا گیا اس نے فوراً پوچھا کہ یہ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ ہوں بیربل نے کہاں ہاں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اور زیادہ ہوں جو دوسرے شہروں سے یہاں اپنے رشتہ داروں سے ملنے آئے ہوں میں نے ان کو نہیں گنا ہے۔ کیونکہ وہ تو واپس چلے جائیں گے۔ دوسرے نے فوراً کہا کہ ہوسکتا ہے جو تعداد آپ نے بتائی ہے اس سے کم ہوں بیربل نے فوراً کہا کہ ہاں ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کچھ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے دوسرے شہروں میں چلے گئے ہوں لیکن وہ واپس تو آئیں گے ہی۔ سبھی لوگ دم بخود تھے۔ تب اکبر نے کہا کہ بیربل کو میں سب سے زیادہ اس لیے مانتا ہوں۔

سب سے زیادہ طاقتور کون

ایک بار کی بات ہے جنگل میں ایک چھوٹا سا کتے کا پلا رہتا تھا۔ وہ بہت خوب صورت تھا۔ چھوٹا سا تھا اس لیے اس کو سبھی جانور پریشان کرتے تھے اور وہ سب سے ڈرتا بھی بہت تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ میں ان میں سے سب سے زیادہ طاقتور جانور کو اپنا مالک بنالوں، اس کا کام کروں اور ہر وقت اسی کے ساتھ رہوں تو باقی جانور مجھے تنگ نہیں کر پائیں گے۔ تب وہ چھپ کر راستے میں آنے جانے والے جانوروں کو دیکھتا رہا اس نے لومڑی کو شکار کر کے کھاتے دیکھا تو اسے لگا کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہے وہ فوراً اس کے پاس گیا اور کہا کہ وہ اسے اپنا نوکر

بنا کر رکھ لے۔ لومڑی راضی ہو گئی پھر تو یہ کتے کا پلّا ہر وقت اس کے ساتھ رہنے لگا مگر دو ایک دن بعد لومڑی اچانک چلتے چلتے رکی، اس نے دور سے آتے ہوئے ایک جانور کو دیکھا اور فوراً پلٹ کر بھاگنے لگی۔ کتے کے پلے نے اس سے پوچھا کہ تم واپس کیوں جا رہی ہو تو اس نے کہا کہ دیکھا نہیں سامنے سے بھیڑیا آ رہا ہے تم بھی بھاگو۔ اگر تم کو اپنی جان بچانی ہے تو۔ کتے کے پلے نے سوچا اس کا مطلب بھیڑیا زیادہ طاقتور ہے مجھے اس کی نوکری کرنی چاہیے۔ اس نے بھاگ کر بھیڑیے سے کہا کہ وہ اسے اپنا نوکر بنا لے تو وہ خوب دل لگا کر خدمت کرے گا۔ بھیڑیے نے کہا ٹھیک ہے آج سے تم میرے ساتھ رہو گے۔ کتے کا پلا اس کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک دن بھیڑیا اپنے شکار پر نکلا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ چل پڑا۔ بھیڑیا گائے کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھا، ابھی وہ دونوں اس جھنڈ سے دور ہی تھے کہ گائے اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں کتے کے پلّے نے خوش ہو کر سوچا کہ میرے مالک کے ڈر سے یہ بھاگ رہی ہیں مگر پھر بھیڑیا بھی دوسری طرف بھاگنے لگا۔ کتے کے پلّے نے گھبرا کر پوچھا کہ تم کیوں بھاگ رہے ہو تو وہ کہنے لگا کہ اگر تم کو اپنی

جان بچانی ہے تو تم بھی بھاگو، وہ دیکھو سامنے سے شیر آ رہا ہے۔ کتے کے پلے نے سوچا یہ بھی بزدل نکلا اور وہ شیر کی طرف بڑھا اور کہنے لگا کہ شیر صاحب سنا ہے آپ جنگل کے سب سے زیادہ طاقتور جانور ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی نوکری کے لیے قبول کر لیں گے۔ شیر نے سوچ کر جواب دیا کہ ٹھیک ہے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ شیر جو شکار کرتا اُسے وہ دونوں آپس میں بانٹ کر کھاتے اب جنگل کا کوئی جانور اس کتے کے پلے کو نہیں ستاتا تھا۔

ایک دن دونوں ٹہلنے نکلے اچانک شیر رک گیا۔ وہ اِدھر اُدھر گھور کر دیکھنے لگا اور ساتھ ہی کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگا اچانک وہ بھی الٹے پیروں بھاگا۔ کتے کے پلے کو بڑا تعجب ہوا اس نے پوچھا تم کو کس سے ڈر لگ رہا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے انسان کی بو آ رہی ہے۔ یہاں سے جلدی بھاگو ورنہ وہ ہم لوگوں کو اپنے قبضہ میں کر لے گا۔ کتے کے پلے نے فوراً اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ انسان کے پاس آ گیا۔ اس دن سے آج تک کتا انسان کے ساتھ ایک وفادار جانور بن کر رہتا ہے۔

مرغی کی ہوشیاری

ایک بار کا قصہ ہے کہ ایک مرغی جنگل میں اکیلی رہتی تھی۔ وہیں قریب ہی ایک لومڑی کا شریر بچہ بھی اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ جب بھی اس مرغی کو دیکھتا اس کے منہ میں پانی بھر آتا۔ وہ اس کو کھانا چاہتا تھا اور اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے اس نے کئی بار اس مرغی کو پکڑنے کی کوشش کی مگر مرغی بھی بہت چالاک تھی۔ اس نے لومڑی کے بچے کی ایک بھی چال کامیاب نہیں ہونے دی اور ہمیشہ اسے طرح دے گئی۔ کافی سوچنے کے بعد لومڑی کے بچے نے اپنی ماں سے کہا کہ آج میں اس مرغی کو ضرور پکڑلوں گا، میں نے بہت اچھی ترکیب سوچی ہے۔

اس نے ایک تھیلا کندھے پر ڈالا اور چل دیا اور جاتے جاتے اپنی ماں سے کہہ گیا کہ وہ آگ جلا کر پانی کا پتیلا چڑھا دے کیونکہ میں ابھی اس مرغی کو پکڑ کر لاتا ہوں۔ پھر ہم اسے ابال کر کھائیں گے۔

وہ چپکے چپکے مرغی کے گھر کے قریب گیا اور خود کو گھاس کے درمیان چھپا لیا۔ تھوڑی دیر بعد مرغی اپنے گھر سے باہر نکلی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا، لومڑی کا بچہ گھاس میں چھپا ہونے کی وجہ سے اسے نظر نہ آیا تو وہ اطمینان سے آگے بڑھی اور شام کو آگ جلانے کے لیے اپنی چونچ سے لکڑیاں چننے لگی۔ اس کے گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ جیسے ہی مرغی کی پیٹھ دروازے کی طرف ہوئی لومڑی کا بچہ چپکے سے گھر کے اندر داخل ہو گیا اور دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ مرغی جب لکڑیاں چن کر اندر آئی تو اس کی نظر اس پر پڑی اور وہ خوف سے بری طرح چیخ پڑی اور اپنی پوری طاقت لگا کر روشن دان پر چڑھ گئی۔ روشن دان پر پہنچ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے لومڑی کے بچے سے کہا تم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ لومڑی کا بچہ اپنی شکست پر پھر جھنجھلا گیا۔ مارے غصے کے اپنی دم پکڑ کر زمین پر لٹو کی طرح چکر کھانے لگا، اس کو لگا تار دیکھنے سے مرغی

کا سر چکرا گیا اور وہ دھڑام سے نیچے گر گئی۔ لومڑی کے بچے نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا کہ کون کہتا ہے میں تم کو پکڑ نہیں سکتا اور یہ کہہ کر لپک کر اسے پکڑ لیا اور اپنے تھیلے میں بند کر لیا اور خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ لیکن اتنی تیزی سے چکر کاٹنے کی وجہ سے خود اس کا بھی سر گھوم رہا تھا، اس نے سوچا کیوں نہ پہلے کچھ آرام کر لوں مرغی کو تو قید ہی کر لیا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا تھیلا پیٹھ پر سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور خود وہیں گھاس پر لیٹ گیا۔ اسے کچھ آرام ملا تو اس کی آنکھ لگ گئی۔ ادھر مرغی کو کچھ سناٹا معلوم ہوا تو اس نے چپکے سے تھیلے سے سر نکالا دیکھا کہ لومڑی کا بچہ آرام سے سو رہا ہے وہ چپکے چپکے تھیلے سے نکلی اور اپنی جگہ تھیلے میں ایک بڑا سا پتھر رکھ کر اپنے گھر کی طرف بھاگ لی۔

جب لومڑی کے بچے کی آنکھ کھلی تو شام ہو رہی تھی اس نے تھیلا اٹھایا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اس کی ماں نے آگ پر پانی چڑھا رکھا تھا جو تیزی سے کھول رہا تھا۔ دونوں نے مل کر تھیلا پکڑا اور چاہا کہ کھولتے ہوئے پانی میں مرغی کو ڈال دیں لیکن بجائے مرغی کے وہ بڑا سا پتھر پانی میں اس زور سے گرا کہ کھولتے ہوئے پانی کا پتیلا دونوں

لومڑیوں کے اوپر آ رہا اور وہ وہیں جل کر ختم ہو گئیں۔

اس طرح بچوں! مرغی نے ہمت اور ہوشیاری سے نہ صرف اپنی جان ہی بچائی بلکہ آگے کے لیے اپنا راستہ بھی ہموار کر لیا۔

سوجھ بوجھ

ایک بار کی بات ہے کسی جنگل کی ایک گپھا میں ایک گیدڑ رہتا تھا۔ وہ اپنی گپھا سے باہر نکل کر جنگل کی سیر کو گیا، خالی گپھا دیکھ کر ایک شیر اس میں جا چھپا اس نے سوچا جب گیدڑ اس کے اندر آئے گا تو وہ اسے پکڑ کر کھا جائے گا۔

گیدڑ جنگل کی سیر کر کے واپس گپھا میں جانے لگا تو اسے زمین پر شیر کے پنجوں کے نشان نظر آئے جو گپھا کے اندر تو جاتے تھے پر پیروں کے نشان گپھا کے باہر نکلنے کے لیے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا ضرور شیر گپھا میں موجود ہے۔ لیکن وہ اس بات کی پوری

طرح تسلی کر لینا چاہتا تھا۔ اس خیال سے وہ گپھا کے دہانے پر آ کر ٹھہر گیا اور زور سے بولا۔ گپھا گپھا میں آ گیا کیا میں اندر آ جاؤں۔"؟

شیر یہ سن کر سوچا کہ گپھا ضرور بولتی ہوگی تبھی تو یہ گیدڑ اس طرح دریافت کرر ہا ہے۔ میرے رہتے یہ گپھا ڈر کے مارے خاموش ہے اور نہیں بول رہی ہے تو میں خود کیوں نا اس کا جواب دے دوں یہ سوچ کر وہ بولا۔ "ہاں ہاں آ جایئے گیدڑ مہاراج ضرور تشریف لایئے۔"

گیدڑ کو شیر کی آواز سن کر بالکل یقین آ گیا کہ شیر اس گپھا کے اندر ہے وہ دبے قدموں بھاگ گیا۔

دیکھا بچوں سوجھ بوجھ کی وجہ سے گیدڑ نے کیسے اپنی جان بچائی۔

انجام

ایک بار کی بات ہے کسی جنگل میں ایک درخت کے نیچے بہت سے بگلے رہا کرتے تھے۔ اسی درخت کی جڑ میں ایک زہریلا سانپ بھی رہتا تھا جو بگلے کے بچوں کو کھا جاتا تھا۔ اسی دکھ کی وجہ سے ایک بگلے کو روتا دیکھ قریب کے تالاب میں پڑے ہوئے ایک کیکڑے نے پوچھا، بگلے ماما بگلے ماما کیا بات ہے آپ کیوں رو رہے ہیں۔

بگلا بولا- بھانجے میاں، میرے بچوں کو درخت کے نیچے رہنے والا وہ کالا سانپ ہمیشہ کھا جاتا ہے۔ اس سے بچنے کی تمھیں کوئی تدبیر بتاؤ۔

کیکڑے نے سوچا یہ بگلا ہم کیکڑوں کو کھا جاتا ہے کیوں نا اسے

ایسی تدبیر بتاؤں کہ یہ خود بھی اپنے خاندان کے تمام دوسرے بگلوں کے ساتھ ختم ہو جائے یہ سوچ کر کیکڑے نے اس بگلے سے کہا:

''دیکھو بگلے ماما تم مچھلی کے گوشت کے ٹکڑے نیولے کے بل سے لے کر سانپ کے بل تک رکھتے چلے جاؤ۔ نیولا جب اپنے بل سے نکلے گا تو مچھلی کے گوشت کے ٹکڑے کھاتا ہوا سانپ تک پہنچ جائے گا اور اس طرح وہ سانپ کو بھی مار کر کھا جائے گا۔

بگلا یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اس نے آتے ہی وہی کیا جو کیکڑے نے کہا تھا۔

نیولا اپنے بل سے نکلا تو اسے لائین سے مچھلی کے گوشت کے ٹکڑے نظر آئے وہ انھیں کھاتا ہوا سانپ کے بل تک پہنچ گیا اور سانپ کو بھی پکڑ کر کھا گیا۔ لیکن اچانک اس کی نظر درخت کے اوپر بیٹھے بگلوں پر پڑی تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا وہ جھٹ پیڑ پر چڑھ گیا اور بگلوں کو بھی پکڑ پکڑ کر کھا گیا۔

دیکھا بچوں بگلوں نے بغیر انجام سوچے قدم اٹھالیا تو ان کو کیسی سزا ملی۔ اس لیے کام شروع کرنے سے پہلے اس کے انجام پر ضرور غور کر لینا چاہیے۔

عقلمندی

ایک بار کی بات ہے کہ کسی شہر کے ایک محلّہ میں دو آدمی رہتے تھے۔ان میں سے ایک کا نام ''اچھے'' تھا دوسرے کا ''برے''۔ ''برے'' نے سوچا کیوں نا ''اچھے'' کو ساتھ لے کر کسی دوسرے شہر جایا جائے اور کچھ پیسہ کمایا جائے جب خوب دولت اکٹھا ہو جائے تو ''اچھے'' کو دھکا دے کر نکال دے اور ساری دولت خود حاصل کر لے۔

یہ سوچ کر وہ ''اچھے'' کے پاس گیا۔اس نے اس سے کہا کیوں بھائی کیوں نا ہم لوگ کہیں پردیس چل کر کچھ کام کریں اور دولت کمائیں یہاں بیٹھے رہنے سے تو کچھ کام نہیں چلتا ہم دونوں کی حالت

ایک جیسی ہی ہے ''اچھے'' نے سوچا مشورہ برا نہیں، انسان کو اگر دولت کمانی ہے تو گھر سے باہر نکلنا چاہیے۔ پردیس جانا برا نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے اقرار کرلیا اور دونوں پردیس چل پڑے۔

دونوں آدمی پردیس میں کام کرتے رہے اس طرح انھوں نے کچھ ہی عرصہ میں کافی پیسہ اکٹھا کرلیا۔ تب ایک دن ''برے'' بولا بھئی ''اچھے'' اب تو ہم لوگوں نے بہت کمالیا چلو گھر واپس چلیں۔ ''اچھے'' کو بھی گھر کی یاد بری طرح آرہی تھی واپس چلنے کو راضی ہو گیا۔ راستہ میں جب وہ ایک جنگل سے گزر رہے تھے ''برے'' بولا ''بھئی! اچھے کیوں نا ہم اپنی آدھی کمائی یہاں جنگل میں گاڑ دیں، اتنا سارا پیسہ دیکھ کر لوگ حسد کرا ٹھیں گے، بعد کو کبھی واپس آکر آدھی دولت پھر لے جائیں گے۔ اس طرح کسی کو بھی ہماری کل دولت کا علم نہ ہو سکے گا۔ بات معقول تھی اچھے کے بھی سمجھ میں آگئی۔ ان دونوں نے مل کر ایک درخت کے نیچے اپنی آدھی کمائی گاڑ دی اور واپس اپنے شہر آ گئے۔ ایک دن ''برے'' کے دل میں لالچ سمائی اس نے سوچا کیوں نا وہ آدھی کمائی میں جا کر نکال لوں اور ''اچھے'' سے کوئی

مناسب بات بنادوں۔ تب تو میں زیادہ مالدار ہو جاؤں گا۔ یہ سوچ کر وہ اس درخت کے نیچے گڑی ہوئی رقم نکال لایا اور اسے گھر میں چھپا کر دوسرے دن مسکین صورت بنا کر ''اچھے'' کے پاس گیا اور بولا۔ '' بھئی اچھے'' اب تو بہت دن ہو گئے ہیں کیوں نا ہم اپنی آدھی گڑی ہوئی رقم نکال لائیں''۔ ''اچھے'' راضی ہو گیا۔

درخت کے پاس پہنچنے پر اس نے دیکھا کو گڈھا خالی ہے اور رقم غائب ہے اس سے پیشتر کہ ''اچھے'' کچھ کہتا ''برے'' بولا کیوں بھئی نکال لے گئے نا دھوکا دے کر تم یہ رقم۔'''' اچھے'' بے چارہ حیران تھا کہ آخر یہ کیا ہو گیا۔ برے پھر بولا۔ دیکھو ''اچھے'' صرف تمھیں کو معلوم تھا کہ روپیہ یہاں گڑا ہے یہ صرف تمھاری شرارت ہے سیدھی طرح وہ رقم واپس کرو ورنہ میں قاضی کے پاس تمھاری شکایت کرتا ہوں۔ ''اچھے'' کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس نے لاکھ صفائی پیش کرنی چاہی لیکن ''برے'' نہ مانا اور قاضی کے پاس حاضر ہو کر ساری روداد کہہ سنائی۔ قاضی بڑا ہوشیار تھا اس نے کہا تمھارا کوئی گواہ ہے۔ برے بولا جی نہیں قاضی نے کہا تب تو کل ہم اس جگہ چل کر اس پیڑ کی

گواہی لیں گے درخت جو کچھ کہے گا اسے ہی صحیح مانا جائے گا۔

''برے'' نے قاضی کا فیصلہ اپنے باپ کو جا سنایا اور اس سے بولا ابا ابا آپ چل کر کل درخت کے کھوکھلے تنا میں بیٹھ جایئے جب قاضی آپ سے چور کا نام دریافت کرئے تو آپ جھٹ سے ''اچھے'' کا نام لے لیجیے گا اس طرح مقدمہ میرے حق میں فیصل ہو جائے گا۔

اس کے باپ نے ایسا ہی کیا۔ دوسرے دن قاضی دوسرے چند لوگوں کے ہمراہ درخت کے پاس پہنچا اور درخت سے پوچھا کہ اے جنگل کے دیوتا درخت! تم ہی بتاؤ ''اچھے'' اور ''برے'' میں سے چور کون ہے۔'' درخت میں چھپے ''برے'' کے باپ نے زور سے کہا ''اچھے چور ہے''۔۔۔اچھے بے حد حیران ہوا قریب کھڑے لوگ بھی حیران تھے کہ یہ کیسی گواہی ہے تب اچھے کی سمجھ میں ایک بات آئی اس نے جلدی جلدی قریب سے لکڑیاں جمع کر کے اس درخت میں آگ لگا دی۔ سوکھی لکڑیاں تڑاتڑ جلنے لگیں۔ درخت کے تنے میں چھپا ''برے'' کا باپ بری طرح جلنے لگا تب اس نے چیخنا شروع کیا۔ ارے بچاؤ میں جلا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ اپنے بیٹے کے اشارے

پر میں نے اچھے کے خلاف گواہی دی۔ خدا کے لیے مجھے باہر نکالو۔
قاضی بولا۔ ''اچھے'' تم نے تو مجھ سے بھی زیادہ عقل مندی کا کام کیا۔
اور پھر برے کو بھی اس پیڑ پر الٹا لٹکا دیا۔

دیکھا بچوں! عقل مندی کے ساتھ کیے گئے کام کا کتنا صحیح حل نکلتا ہے۔

بڑوں کے نام سے فائدہ

ایک بار کی بات ہے کہ کسی جنگل میں کچھ ہاتھی رہا کرتے تھے، ایک سال ایسا ہوا کہ وہاں بارش نہیں ہوئی اور جنگل کے آس پاس کے سارے تالاب سوکھ گئے۔ ہاتھی مارے پیاس کے مرنے لگے۔ تب سبھی ہاتھیوں نے مل کر اپنے راجہ ہاتھی سے کہا کہ حضور کوئی پانی کا تالاب جلد ڈھونڈ نکالیے تاکہ ہم سب کی جان بچے۔ راجہ نے ان کی بات سن کر کہا یہاں سے کئی میل دور ایک تالاب ہے وہ کبھی نہیں سوکھتا تم لوگ چاہو تو وہاں جا کر نہا دھو سکتے ہو اور پانی پی سکتے ہو۔ تمام ہاتھی راجہ کے بتائے ہوئے اس تالاب کی طرف چل پڑے، کئی میل

دور جا کر انھیں ایک بہت بڑا تالاب نظر آیا جو پانی سے لبریز تھا۔ ہاتھیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، انھوں نے اتنے دنوں بعد جو پانی دیکھا تو خوب اچھل اچھل کر نہائے دھوئے اور سیر ہو کر پانی پیا۔ اور رات ہوتے اپنے جنگل واپس لوٹ آئے۔

اس تالاب کے کنارے خرگوشوں کے بل تھے جن میں ننھے منے خرگوش سکون اور چین سے رہتے تھے ہاتھیوں کی اس دھما چوکڑی میں بیچارے بہت سے خرگوش دب کر مر گئے۔ تب تو خرگوشوں کو بہت فکر ہوئی۔ سب سر جوڑ کر بیٹھے کہ کیا کیا جائے انھوں نے سوچا۔ اگر یہ ہاتھی اسی طرح آتے رہے تو ایک دن ہم سب ختم ہو جائیں گے۔

ان میں سے ایک خرگوش بہت عقلمند تھا اس نے کہا کہ دیکھو بھائیوں ہاتھی تو بہت بڑا جانور ہے اور ہم سب اس کے آگے انتہائی چھوٹے ہیں۔ ہم سب مل کر بھی ان پر حملہ کریں تو ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اس لیے میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے اگر تم لوگ مانو تو کہوں۔

سارے خرگوش جلدی سے بولے کہو کہو ہم ضرور مانیں گے تب

وہ عقلمند خرگوش بولا دیکھو اگر دشمن طاقتور ہو تو اس کے سامنے اس سے زیادہ طاقتور چیز کا خوف پیدا کرنا چاہیے تا کہ وہ رعب میں آجائے تبھی وہ آسانی سے قابو میں آسکتا ہے۔

سارے خرگوش بولے۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو۔

خرگوش بولا۔ میں راجہ ہاتھی کے پاس جا کر یہ کہوں گا کہ چاند مہاراج تالاب میں پدھارے ہیں اور وہ آپ کی دھما چوکڑی سے ناراض ہو کر آپ کو تباہ کر دینے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ ''تو اس سے کیا ہوگا۔؟'' تمام خرگوش بولے۔ ''تم دیکھتے رہو کیا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ خرگوش، راجہ ہاتھی کے پاس گیا اور بڑے ادب سے بولا۔

راجہ صاحب، مجھے چاند مہاراج نے بھیجا ہے وہ آپ کے ہاتھیوں پر بہت ناراض ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر آپ کے ہاتھی آئندہ سے اس تالاب پر گئے تو وہ آپ کو اپنے غصہ سے جلا کر راکھ کر دیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آکاش کے راجہ ہیں اور طاقت میں آپ سے زیادہ ہیں۔

راجہ ہاتھی بولا۔ پہلے مجھے اپنے چاند مہاراج کے درشن کراؤ تب

میں جانوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو، خرگوش بولا ضرور ضرور آیئے مہاراج میرے ساتھ چلیے۔ خرگوش رات کو اس ہاتھی راجہ کو لے کر تالاب کے کنارے پہنچا۔ آسمان پر چاند پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا اور اس کا عکس تالاب میں پڑ رہا تھا۔ ہاتھی تالاب میں چاند کو دیکھ کر سہم گیا۔ بولا خرگوش جی آپ نے بالکل سچ کہا یہاں تو سچ مچ چاند مہاراج پدھارے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے اپنا غصہ تھوک دیں ہم پر کوئی ظلم نہ کریں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سے ہمارے کوئی ساتھی اس تالاب کے پاس نہیں آئیں گے۔ یہ کہہ کر راجہ ہاتھی مارے خوف کے الٹے پیر اپنے جنگل کی طرف چل دیا۔

خرگوش زور سے ہنسا اور بولا ''دیکھا دوستو اگر دشمن ہم سے زیادہ طاقتور ہو تو اپنی قوت دکھانے کے بجائے اس سے زیادہ بڑی چیز سے اس کو ڈرانا چاہیے۔ تبھی وہ قابو میں آسکتا ہے۔

بچو! تو اس کہانی سے تم نے کیا سیکھا؟

بیربل اور دربان

ایک بار بیربل کو پتہ چلا کہ محل کے پھاٹک پر سلیم نام کے ایک دربان کی ڈیوٹی ہے جو بے حد چڑاچڑا ہے جب بھی کوئی بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو وہ سیدھے منہ بات نہیں کرتا ہے اور زیادہ تر یہ کہہ کر لوگوں کو لوٹا دیا کرتا ہے کہ بادشاہ سلامت آج کسی سے نہیں مل رہے ہیں لیکن جب کوئی شخص اسے کچھ رقم دے دیتا ہے تو وہ اس کو محل کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے دیتا ہے۔

بیربل کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ بادشاہ سلامت کو پتہ چلے اور وہ اس شخص کو

اس کے کیے کی سزا دیں کیوں نا اس سے پہلے میں ہی اسے کوئی سبق دوں۔ اس لیے اس نے اپنا بھیس بدلا اور جا کر دربان سے کہا کہ وہ بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے۔ دربان بدتمیزی سے چیخا کہ تم کیوں ملنا چاہتے ہو۔ بیربل نے کہا کہ میں ایک شاعر ہوں اور بادشاہ سلامت کی خدمت میں اپنا کلام سنانا چاہتا ہوں۔ مگر سلیم نے بہت بے رخی سے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت کافی غزلیں سن چکے ہیں اور وہ اب زیادہ کچھ سننے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ مگر بیربل گڑگڑانے لگا اور سلیم کے پیروں پر گر پڑا۔ سلیم کو یہ دیکھ کر بڑا مزا آیا کیونکہ وہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ دوسرا شخص اس سے رعب کھائے، فوراً بولا اگر تم اندر جانے کے خواہش مند ہو تو میں تم کو ایک شرط پر جانے کی اجازت دے سکتا ہوں وہ یہ کہ اگر تم مجھے کچھ رقم دو تبھی اندر جا سکتے ہو۔ بیربل نے مسکین سی صورت بنا کر کہا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ دربان بولا: اچھا پھر تم ایسا کرو کہ جو کچھ بادشاہ سلامت تم کو دیں اس کا آدھا حصہ مجھے آ کر دو۔ بیربل نے فوراً حامی بھر لی۔ اندر پہنچنے پر بادشاہ نے اس سے اس کا کلام سنانے کے لیے کہا کلام سننے کے بعد بادشاہ کافی خوش

ہوا اور سوال کیا کہ تم کو انعام میں کیا دیا جائے۔ بیربل نے انکار کیا کہ نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے مگر بادشاہ نے اصرار کیا کہ نہیں تم کو کچھ تو مانگنا ہی پڑے گا۔ بیربل نے انتہائی عاجزی سے کہا کہ اگر آپ کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو مجھے سو جوتے مارنے کا حکم دیجیے۔ بادشاہ کے ساتھ سبھی لوگ اس عجیب وغریب بات پر چونک اٹھے۔ تبھی ہوشیار بیربل نے عرض کیا کہ حضور مجھے صرف 50 ہی جوتے ماریے گا باقی کے پچاس جوتے اپنے دربان سلیم کو مارنے کا حکم دیجیے گا کیونکہ حضور اس نے مجھے اسی شرط پر اندر آنے دیا تھا کہ جو کچھ بھی آپ مجھے انعام کی شکل میں دیں گے اس کا آدھا حصہ مجھے اس کو دینا ہوگا۔ بادشاہ نے یہ بات سنی اور پھر کچھ غور کیا پھر حکم دیا کہ سلیم کو دربار میں لایا جائے اور اس کے پورے 100 جوتے مارے جائیں۔ اس کے بعد بادشاہ سلامت کچھ مسکرائے اور کہا کہ ''اے شاعر کسی بات کو اس قدر خوب صورتی سے بتانے کا فن تو صرف بیربل ہی جان سکتے ہیں مجھے شک ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم بیربل ہی ہو۔'' اور پھر بیربل نے اپنا وہ نقلی روپ اتار دیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر بیربل کو انعام دیا اور اس

لالچی دربان کو نہ صرف جوتے مارنے کا حکم دیا بلکہ نوکری سے بھی نکال دیا۔

تو تم لوگوں نے دیکھا بچوں! کہ بیربل نے شکایت بھی کی تو کس قدر ہوشیاری اور کس قدر سلیقہ سے۔

اسی لیے مشہور ہے کہ عیب کرنے کو بھی ہنر اور سلیقہ چاہیے۔

اکبر بادشاہ اور بیربل

ایک بار اکبر بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ شکار پر گئے، ان کے ساتھ بہت سے ہاتھی اور گھوڑے تھے انھوں نے شیر، چیتے اور ہرن کا شکار کیا مگر جب وہ واپس ہوئے تو ان کا لشکر کھیتوں کو روندتے ہوئے گزر گیا۔

اس جنگل کے کنارے چھوٹی چھوٹی جھونپڑیوں میں غریب کسان رہتے تھے جب انھوں نے اپنے کھیتوں کی یہ تباہی دیکھی تو جا کر بیربل سے شکایت کی کہ بادشاہ سلامت کا لشکر ہمارے کھیتوں پر سے گزر گیا اور انھوں نے ہماری ساری فصل تباہ کر دی اب تو ہم

بھو۔کے مر جائیں گے۔ بیربل نے ان کی بات سن کر ان کو یقین دلایا
کہ وہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ کچھ دنوں بعد اکبر
بادشاہ بیربل کے ساتھ شیر کا شکار کرنے نکلے، وہ جنگل میں ادھر ادھر
بھٹکتے رہے لیکن ان کو شکار نہ ملا۔ بادشاہ کو تھکان محسوس ہونے لگی تو وہ
ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے کے لیے ٹھہر گئے۔
انھوں نے دیکھا کہ درخت پر دو چڑیاں چہچہا رہی ہیں انھوں نے
بیربل سے پوچھا یہ دونوں آپس میں کیا باتیں کر رہی ہیں۔ بیربل نے
جواب دیا کہ یہ آپس میں جھگڑا کر رہی ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا،
کیوں بھئی یہ جھگڑا کیوں کر رہی ہیں۔ بیربل نے کہا یہ دونوں آپس
میں سمدھی بننے والے ہیں اپنے بچوں کی تاریخ رکھنا چاہتے ہیں مگر
لڑکی کا باپ منع کر رہا ہے کیونکہ وہ اپنی لڑکی کو اس وقت تک بھیجنے کو تیار
نہیں جب تک اسے بیس پچیس اجڑے ہوئے کھیت نہ ملیں۔ لیکن
لڑکے کا باپ کہہ رہا ہے کہ اس میں فکر کی کوئی بات نہیں کچھ ہی مہینوں
میں تم کو اس سے بھی زیادہ اجڑے ہوئے کھیت مل جائیں گے۔ اتنا
کہنے کے بعد بیربل خاموش ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ایسا کیونکر

ہوسکتا ہے؟ بیربل نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ گویا وہ ان چڑیوں کی آگے کی بات سن رہا ہو، کہا کہ لڑکے کا باپ کہہ رہا ہے کہ ہمارے بادشاہ کو شکار کا بے حد شوق ہے اور وہ برابر شکار پر جاتا رہتا ہے وہ اور اس کا لشکر جس وقت کھیتوں سے گزرتا ہے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے اس طرح کافی کھیت برباد ہو چکے ہیں اگر ان کا یہ شوق اسی طرح قائم رہا تو جلد ہی اور بہت سے کھیت کچلے ہوئے اور برباد دیکھنے کو ملیں گے۔ بادشاہ نے جب یہ سنا تو اسے بہت ہی خفت محسوس ہوئی اور اس نے آئندہ سے ایسا نہ کرنے کی قسم کھالی۔

بچوں تمھیں بھی چاہیے کہ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو کہ کہیں تم اپنے شوق کی وجہ سے دوسروں کو نقصان تو نہیں پہنچا رہے ہو۔

جادوئی کدّو

ایک بار کی بات ہے کہ کسی شہر میں دو بھائی رہتے تھے، ایک کا نام حمید تھا، دوسرے کا رشید۔ دونوں بہت غریب تھے کبھی کبھی پیٹ بھر کھانا بھی انھیں نصیب نہیں ہوتا تھا جب وہ دونوں بڑے ہوئے تو انھوں نے شادی کرنے کی بات سوچی حمید طبیعتاً بے حد لالچی تھا اس لیے اس نے پیسہ کی لالچ میں ایک امیر عورت سے جو اس سے عمر میں بھی بہت زیادہ تھی شادی کی، لیکن اس کے برخلاف رشید بے حد نیک اور سیدھا سادھا لڑکا تھا۔ اس نے ایک غریب اور یتیم لڑکی سے شادی کی۔ دونوں بھائیوں کے پاس کھیتی کرنے لائق تھوڑی زمین

بھی تھی، حمید نے شادی کے بعد اس زمین اور گھر کا بٹوارہ بھی کر لیا اور عیش سے اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا اور اپنے بھائی رشید کو اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا۔

بے چارے رشید کے پاس نہ تو کھیت جوتنے کے لیے ہل تھے نہ ہی کدال اور پھاوڑا۔ دونوں میاں بیوی اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتے رہے ایک دن جب وہ بھوک سے بے حد نڈھال ہو رہے تھے تو رشید اپنے بھائی حمید کے پاس گیا اور اس سے مدد چاہی، لیکن حمید تو تھا ہی دل کا بے حد سخت اس نے اپنے بھائی کو دھتکار دیا۔ رشید مایوس ہو کر گھر لوٹ رہا تھا کہ بے حد تیز آندھی آ گئی اس آندھی کی وجہ سے ایک پیڑ پر بنے گھونسلے سے ایک چڑیا کا بچہ زمین پر گر پڑا اور چوں چوں کرنے لگا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھا لیا اور گھر لے آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے پیر میں چوٹ آ گئی ہے۔ اس نے اسے پانی پلایا اور اس کے پیر میں دوا لگائی۔ کچھ دنوں بعد جب اس کی چوٹ اچھی ہو گئی تو اسے دروازے کے باہر چھوڑ دیا جہاں سے اس نے ایک جست بھری اور آسمان میں اڑ گیا۔ رشید نے دیکھا کچھ دیر بعد وہ

چڑیا کا بچہ اپنی چونچ میں ایک بیج دبا کر لایا اور اس کے سامنے گرا دیا، رشید نے بیوی سے کہا خدا کا شکر ہے ہمارے پاس زیادہ نہیں تو کم از کم ایک بیج تو ہے ہی چلو اسے اپنے کھیت میں بوتے ہیں۔ کچھ دن بعد اس بیج سے اکھوا پھوٹا اور دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف لمبی چوڑی بیل پھیل گئی۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے دیکھا کہ اس بیل میں تین کدو نکلے ہیں۔ کدو اتنے بڑے بڑے تھے کہ تنہا آدمی اسے اٹھا نہیں سکتا تھا، دونوں میاں بیوی نے مل کر کدو توڑے اور اسے اٹھا کر گھر لائے کہ آج اسے پکا کر پیٹ بھر کھانا کھائیں گے۔ جیسے ہی رشید نے پہلا کدو چیرا، اس میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوئی اور اس میں سے اناج گرنا شروع ہو گیا، رشید اور اس کی بیوی نے جلدی جلدی بوریوں میں اناج بھرا، اناج اتنا تھا کہ سال بھر تک ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے سوچا دوسرے کدو کو کاٹا جائے چنانچہ انھوں نے جیسے ہی دوسرے کدو میں چاقو لگایا اس میں بھی ایک ہلچل ہوئی اور اس میں سے طرح طرح کے کپڑوں کے تھان نکلنا شروع ہو گئے تیسرے کدو کو کاٹنے پر سونے چاندی اور روپیہ کا ڈھیر لگ گیا اس

طرح وہ دونوں میاں بیوی اچانک امیر ہو گئے اور عیش سے زندگی بتانے لگے۔

حمید کو پتہ چلا تو اسے بہت تعجب ہوا اور ساتھ ہی حسد بھی۔ اس نے رشید سے اچانک امیر ہو جانے کی بات پوچھی، رشید نے تمام قصہ صاف صاف سنا دیا۔ حمید نے سوچا اگر آندھی آجائے اور میں بھی کسی چڑیا کے بچے کو اٹھا کر اس کی مدد کروں تو مجھے بھی وہ بیج مل جائے گا جس سے جادو کے کدو نکلتے ہوں یہ سوچ کر وہ آندھی آنے کا انتظار کرنے لگا۔ پر کئی مہینہ گزر گئے اور آندھی نہ آئی۔ وہ بے چین ہو رہا تھا۔ اس سے زیادہ انتظار نہیں ہو پا رہا تھا، اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے ایک بانس اٹھایا اور ایک درخت میں بنے چڑیا کے گھونسلے کو بانس مار کر گرا دیا، اس میں سے چڑیا کا بچہ پکڑا اور اس کا پیر توڑ کر اس میں دوا لگائی، اچھا ہونے پر اس نے اسے گھر کے باہر چھوڑ دیا۔ بچہ اڑ گیا وہ اس کے واپس آنے کا بے چینی سے انتظار کرنے لگا، اتفاق سے اس چڑیا کے بچے نے بھی حمید کے پاس لاکر ایک بیج گرایا، حمید بہت خوش ہوا اور اسے کھیت میں بو دیا۔ کچھ عرصہ

بعد اس میں اکھوا پھوٹا، پھر بیل پھیلنا شروع ہوئی اور کچھ دنوں بعد اس میں ایک کدو بھی نظر آیا۔ اس نے جلدی سے اسے توڑا اور جیسے ہی چاقو سے چیرا، کدو میں زبردست حرکت ہوئی اور دفعتاً اس میں سے ایک آگ کا شعلہ نکلا اور چھت سے ٹکرا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے گھر میں آگ پھیل گئی اور آناً فاناً اس کا عالی شان گھر جل کر راکھ ہوگیا۔ اس کی بیوی بھی اس آگ میں جل کر مر گئی۔ وہ اپنی اس بربادی کو دیکھ کر پاگل ہو اٹھا اور کپڑے پھاڑتا جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔!

دیکھا، بچوں جو لوگ قناعت کرتے ہیں خدا انھیں اچھا پھل دیتا ہے لیکن جو لوگ حاسد اور لالچی ہوتے ہیں خدا انھیں ان کی سزا ضرور دیتا ہے۔

ننھی روزی اور بھالو

ایک بار کی بات ہے ایک خوب صورت سی بچی تھی اس کا نام روزی تھا۔ وہ ایک جنگل کے کنارے ایک گاؤں میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی، وہ گھر کا سارا کام خود کرتی تھی۔ ایک بار وہ محلہ کے بچوں کے ساتھ جنگل میں لکڑیاں چننے گئی۔ بچوں نے دیکھا کہ جنگل میں طرح طرح کے پھل لگے ہیں وہ لکڑیاں چننا بھول کر اِدھر اُدھر پیڑوں پر چڑھ کر پھل توڑنے لگے، روزی تو بہت چھوٹی تھی پیڑ پر نہ چڑھ سکی، نیچے گرے ہوئے پھول کو اکٹھا کرتی ہوئی دور نکل گئی۔ جب اس کا ٹوکرا بھر گیا تو اس نے مڑ کر دیکھا لیکن آس پاس کہیں بھی

اس کے ساتھی بچے نظر نہ آئے۔ اس نے آواز دی لیکن پھر بھی وہ ناکام رہی۔ تھک ہار کر وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی، اچانک اس کی نظر پیڑوں کے درمیان بنی ایک جھونپڑی پر گئی۔ وہ اس کے نزدیک گئی۔ جھونپڑی کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر چلی گئی، اس نے آواز دی لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ تبھی اچانک ایک بڑا سا بھالو جھونپڑی میں داخل ہوا۔ روزی کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا گرج کر بولا اے لڑکی تیرا نام کیا ہے۔ روزی ڈر کے مارے کانپنے لگی۔ جلدی سے بولی۔ میرا نام روزی ہے میں راستہ بھٹک گئی ہوں مجھے گھر جانے دو۔ بھالو بولا واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تمھیں یہیں رہنا پڑے گا اور میرا سارا کام بھی کرنا ہوگا۔ اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمھیں کھا جاؤں گا۔ روزی نے سوچا ڈر کر تو وہ اپنی جان نہیں بچا سکتی اسے بے خوف ہو کر کوئی راہ نکالنی پڑے گی۔ چنانچہ اس نے بھالو سے کہا بالکل ٹھیک ہے میں آپ کا تمام کام کروں گی۔ لیکن پہلے آپ میرا ایک کام کر دیجیے۔ بھالو بولا۔ کیا کام ہے جلدی کہو۔ روزی بولی دیکھیے اس ٹوکرے میں پھل اور کچھ لکڑیاں ہیں اسے میرے گاؤں

میں جا کر کھپریل والے مکان میں دے آیئے وہاں میرے ماں باپ رہتے ہیں وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ بھالو بولا۔ٹھیک ہے میں منہ ہاتھ دھوتا ہوں جب تک تم کھانا تیار کرو، ٹوکرا دے کر واپس آؤں گا تو مجھے کھانا تیار ملنا چاہیے۔ یہ کہہ کر بھالو جیسے ہی منہ ہاتھ دھونے کے لیے گھوما، روزی جھٹ سے ٹوکرے میں بیٹھ گئی اور اپنے چاروں طرف پھل اور لکڑیاں رکھ کر اپنے آپ کو چھپا لیا۔ بھالو نے ٹوکرا اٹھایا اور چل دیا جیسے ہی اس نے کھپریل والے مکان کے سامنے ٹوکرا رکھا، روزی ٹوکرے سے اچھل کر کود ی اور دوڑ کر اپنے باپ سے چمٹ گئی۔ باپ نے دیکھا کہ سامنے ایک بھالو کھڑا ہے اس نے جھٹ ایک ڈنڈا اٹھایا اور بھالو کے سر پر دے مارا۔ بھالو بے ہوش ہو گیا اس نے لپک کر اسے رسی سے باندھ دیا، تب روزی نے تمام کہانی انھیں سنائی۔ دونوں ماں باپ اور گاؤں والے روزی کی اس بہادری سے بہت خوش ہوئے اور اسے بہت سا انعام دیا۔

دیکھا بچوں بہادری اور سمجھ داری سے کام لینے پر بڑی سے بڑی مصیبت بھی دور ہو جاتی ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

مالوے کی لوک کہانیاں

مصنف: صادق

صفحات: 84

قیمت: -/12 روپے

ایلس آئینہ گھر میں (دوسرا حصہ)

مصنف: لیوس کیرل

صفحات: 96

قیمت: -/13 روپے

جانوروں کی دنیا

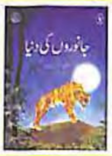

مصنفین: کرنل اے۔ ڈیوڈ
شیو کمار

صفحات: 80

قیمت: -/55 روپے

بھوت پریت

صفحات: 16

قیمت: -/9 روپے

بکری دو گاؤں کھا گئی اور دوسرے ڈرامے

مصنف: م۔ ندیم

صفحات: 78

قیمت: -/14 روپے

بھیڑیا!

مصنف: اے۔ کے۔ شری کمار

صفحات: 104

قیمت: -/28 روپے

₹ 15/-

ISBN: 978-81-7587-908-9

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025